

کوئی رسم بھی نہ تھا پسکا

KitabPK.Com

سَجْدَةُ اللَّهِ شَاةٌ

KitabPK.Com



کچھ اپنے بارے میں ، ۱۵

حمد ، ۲۳

شام گہری ہو رہی ہے دیکھنا ، ۲۵

ہوئے درد جلی تو ترا خیال آیا ، ۲۷

یہ جو عشق تھا یہ جو پیار تھا مرا خواب تھا ، ۲۹

کوئی الزام محبت پہ نہ اب آنے دو ، ۳۱

زمین تنگ رہی آسمان کھلنے تک ، ۳۳

وہ چاند تھا تو مرے گھر پہ ہی چمکتا کیوں ، ۳۵

جو ایک بار ملے ہیں کہاں ملام ملے ، ۳۷

زندگی کے ساتھ ہیں خدشات بھی ، ۳۹

کسی بھی دہم کو خود پر سوار مت کرنا ، ۴۱

عدو سے جنگ میں پنجہ لڑا کے دیکھیں تو ، ۴۳

نہیں محدود اب اس کو شانے تک ، ۷۹
 میں جینا ہوں نیا منظر بنانے تک ، ۸۱
 ہدف اس کا ہے پہنچا اب نشانے تک ، ۸۳
 یہ زہر بھی زمانے ترے ہاتھ سے پیلا ، ۸۵
 جس چہرے پر اوس کے چھینٹے وہ چہرہ گلزار ہوا ، ۸۷
 اس ہوانے وہی کیا آخر ، ۸۹
 جو اپنی ذات میں خود کو چھپا لیا میں نے ، ۹۱
 بڑھتی جاتی ہے اکتا ہٹ ، ۹۳
 ہیں مطمئن جو آپ تو قسمت ہے آپ کی ، ۹۵
 نہیں آیا کوئی مجھ کو بچانے تک ، ۹۷
 گو تھا سچ فسانے میں ، ۹۹
 میں ہوں خلا نورد تو کیا وزن ہو مرا ، ۱۰۱
 بھرا دامن بھگونے سے ، ۱۰۳
 ہوئے ساکت مناظر بھی کہ جیسے فلم چلتی ہے ، ۱۰۵
 موت اک درندہ ہے زندگی بلا سہی ہے ، ۱۰۷
 دور رہا ہے مرکز سے جو پیارے ایک زمانے تک ، ۱۰۹
 ایک شعر ، ۱۱۱
 ایک شعر ، ۱۱۲
 آگ سے آگ لڑ گئی ہے ، ۱۱۳

ہر پہل جیسے قریب لگے ہے ایک پہاڑ کی چوٹی ، ۲۵
 وہ دقت تھا کہ کسی کا ہمیں خیال نہ تھا ، ۲۷
 مجھے زمانے سے پہچان ہے دور ہٹنا ہے ، ۲۹
 ایک شعر ، ۵۱
 ایک شعر ، ۵۲
 بشر ہوں میں تو یہ حق بھی ادا کروں یارو ، ۵۳
 اک نیا راستہ نکالا ہے ، ۵۵
 مری خواہشوں کی صورت مراد ہم ہے یہ سارا ، ۵۷
 ہم نے منزل کو جو اپنی خود ہی جادہ کر لیا ، ۵۹
 گو ہے پھولوں میں خار ہے تو سہی ، ۶۱
 آسودگی جسم ہے روجوں کی زندگی ، ۶۳
 احساسِ رایگانہ عمرِ رداں نہیں ، ۶۵
 یہ رات دن کا بدلنا نظر میں رہتا ہے ، ۶۷
 ایک بادل سامری آنکھ میں بھی چھایا تھا ، ۶۹
 عجیب دن ہیں کہ سب منظروں سے باہر ہوں ، ۷۱
 جو اختیار سے باہر تھا اختیار کیا ، ۷۳
 خیال تھا کہ میں خود سے دفا کروں یارو ، ۷۵
 ایک شعر ، ۷۷
 ایک شعر ، ۷۸

کیوں نہ ہم سوچ کے سانچے میں ہی ڈھل کر دیکھیں، ۱۵۳

یاد رکھنا اسے بھلانا مت، ۱۵۵

کیوں محبت کا نشہ جاتا نہیں ہے، ۱۵۷

دنِ مشقت میں اگر تم نے گزارا ہوتا، ۱۵۹

میری نظروں سے اگر اس کا نظارا ہوتا، ۱۶۱

موسمِ گل کے پلٹنے کے زمانے آئے، ۱۶۳

مجھے کیا اب مجھے دیکھو نہ دیکھو، ۱۶۵

لگی ہے جس سے مجھ شیشے کو ٹھوکر، ۱۶۷

خلائے دہر کے اندر نہ جاسکا کوئی، ۱۶۹

جو خوف سا رہتا ہے وہ خوفِ خوشی کا ہے، ۱۷۱

انہی سے پوچھو کہ یہ شوخ ڈھنگ کیسے ہیں، ۱۷۳

ہم ذرا اور مچل کر دیکھیں، ۱۷۵

ایک شعر، ۱۷۷

ایک شعر، ۱۷۸

ہوا کے رُخ کو بدل کر ادھر بھی کر دے گا، ۱۷۹

دسعہ کون مکانِ دل میں بھلا رکھ دینا، ۱۸۱

اے دل ایسی بھی کیا دھن، ۱۸۳

چاند نکلا ہے بادلوں کے بیچ، ۱۸۵

جس نے دیکھا پار تک، ۱۱۵

کچھ نہ کہنے سے ہے بہتر کہ کچھ کہا جائے، ۱۱۷

پس دستِ سخائی وہ ترا ہنسنا، ۱۱۹

خوشیاں جو سو گئیں تو مراد دردِ جاگ اٹھا، ۱۲۱

بہت ہی تلخ حقائق ہیں سمنے سب کے، ۱۲۳

جیت جیسے مات میں، ۱۲۵

ہنسی کی بات کہ اس نے وہاں بلا کے مجھے، ۱۲۷

وقت تو وقت ہے رکتا نہیں اک پل کے لیے، ۱۲۹

یہ مراد ہم دگماں اور یقیں کچھ بھی نہیں، ۱۳۱

تنہائی میں رہنا مشکل ہوتا ہے، ۱۳۳

کوئی پڑھے نہ پڑھے یہ عبارتیں میری، ۱۳۵

دھوپ کا ندھے پہ اٹھا کر کوئی بادل ٹھہرے، ۱۳۷

ہر وقت ساتھ رہ کے بھی اپنی خبر نہیں، ۱۳۹

چلو اب ختم کر ڈالیں کہانی بھی، ۱۴۱

کوئی صورت نکال کر دیکھیں، ۱۴۳

ساتھ دنیا کے دے پاؤں بھی چلنا ہوگا، ۱۴۵

یہ زمانہ نہ سمجھ میں آیا، ۱۴۷

مہر ڈوبا تو مرے ماہ کو باہر لایا، ۱۴۹

ایک شعر، ۱۵۱

دو شعر، ۲۱۸
 ڈوب جانا چاہیے یا پھر ڈوبنا چاہیے، ۲۱۹
 کبھی کتابوں کی صورت کبھی رسالوں میں، ۲۲۱
 بحث نہیں کہ جو ہم اس کی دید کرتے ہیں، ۲۲۳

مجھے مشکل میں ڈالاجے سبب اس نے، ۱۸۷
 یہی تو ہر اک کو غم رہا ہے، ۱۸۹
 جو میرے رستے پر چل رہا ہے، ۱۹۱
 دو شعر، ۱۹۲

دو شعر، ۱۹۲

کوئی حد ہے کہ نہیں اس کی الٹی توبہ، ۱۹۵
 ہم نے گردش میں ستارا کر لیا، ۱۹۷
 جھانکا جو دل میں اپنے پذیرائی مل گئی، ۱۹۹
 اس کی آواز کی تصویر بنانا چاہی، ۲۰۱
 ایک شعر، ۲۰۳
 ایک شعر، ۲۰۴

نہیں گرفت میں اپنے ہماری سوچیں بھی، ۲۰۵
 مجھے قبول ہے جو کچھ کہو کہو تو سہی، ۲۰۷
 دوستوں میں تمہیں شمار کیا، ۲۰۹
 ہم نے اس پر جو دل نثار کیا، ۲۱۱

جو مرے قریب نہ آسکا، ۲۱۳

مجھے قریب سے دیکھو کہ دور سے دیکھو، ۲۱۵

ہمارا دھیان کبھی بٹ گیا تو سوچیں گے، ۲۱۶

دو شعر، ۲۱۷

کچھ اپنے بارے میں

مسلل ایک ہی حالت میں حیات کرنا مشکل نہیں، ناممکن ہے کسی بھی کیفیت کا ثبات فطرتِ انسانی سے بعید عمل ہے۔ ہر ردِ عمل کا تغیر تازگی اور نمو کا جواز بناتا ہے۔ تخلیقی محسوسات کا تحریک اندرونی اور بیرونی عوامل کے تابع ہوتا ہے۔ اس تحریک کا تربیت اور نظریے سے ٹکراؤ یا ملاپ اندرونی اور خارجی ردیوں کو بدل دیتا ہے۔ لیکن بعض جذبے اصول و ضوابط کی بندشوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مگر ایسی صورتِ حال کو اپنی تمام تر خوبصورتیوں اور عنایتوں کے باوجود اپنے دلِ دماغ پر طاری ہونے سے روکنا چاہیے۔ لمحاتِ نشاط کا لمبا دورانیہ باطن کی آنکھ کو دھندلا کر رکھ دیتا ہے۔

خواہشاتِ کشت کو عریاں ہونے سے روکنا بھی ضروری ہے۔ مگر ان کا کچھ حق ہے جو مشقتِ خاک کی اڑان سے پیشتر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اگر دھیانِ گیان کے درتپکے دا ہو جائیں تو خوشی کی ساعتیں بہت جلد غم کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں اور پریم آنکھ زمین کے رشتوں کی گواہی بن جاتی ہے۔ اشکِ درد میں بھیک کا ہوا لفظ

کبھی کتابوں کی صورت کبھی رسالوں میں
ہمارا نام ملے گا سبھی حوالوں میں
وہ قیمتی سہی لیکن تمہا خام صورت میں
تراش کر اُسے لایا ہوں میں مثالوں میں

کی صورت جذبوں کی تجسیم بن کر سامنے آتی ہے۔
 نیند اور جگر اتنے کچے سنگم پر دم بھر کے لیے روح کی گہری نیلی جھیل میں
 جسم کا اتنا ایک فطری فعل ہے۔ مگر اس کے پیچھے پتھروں کا گرنا خارجی حملہ
 ہے۔ جھیل کے پانی میں ارتعاش اور اپنے دامن کو دور تک پھیلاتے ہوئے
 دائرے سطح آب پر اپنا نقش بھی نہیں چھوڑتے مگر ان نقوش کو آنکھ پتلیوں پر
 اٹھائے پھرتی ہے اور یہ نشانیاں حیاتِ فانی کی متحرک دلیل ہیں اور یہی انسان
 کے مخلوق ہونے کا یا خدا کے خالق ہونے کا اعلان ہے۔

انتہائی سنجیدہ طرزِ احساس کا ایک پہلو رومانوی دنیا سے بھی جڑا ہوتا ہے
 اس کا الکثاف استدلال کا متقاضی بھی نہیں ہوتا۔ اس لازم و ملزوم خطہ میں غم اور
 خوشی دونوں اترتے ہیں اور اپنا اپنا حصہ بانٹ لیتے ہیں لیکن یہ دونوں رویے
 ایک بال برابر فاصلے سے جدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات غیر ارادی طور پر ایک
 دوسرے کی جگہ میں مکمل داخل ہو جاتے ہیں۔

کوئی بھی موسم ہو محسوس کرنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ میرے ہاں ماحول
 کو طاری کرنے کا عمل کچھ وقت لیتا ہے پھر ایک سپیل میں کوئی بھی خیال ہم خیال
 لمحات کو تصویر کر دیتا ہے۔ کڑی سے کڑی اک زنجیر بنتی نظر آتی ہے۔ کوئی صورت
 وقت سے پیشتر بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت میں عمل کو بے رحم رد عمل کا
 سامنا کرنا پڑتا ہے تسلیم کی نحوہر کسی میں پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تربیت
 ضروری ہے۔ اس لیے ہمارے ہاں راہ سے ہٹے ہوئے رویہ کو بیک جنبشِ قلم
 رد کر دیا جاتا ہے۔ ان عوامل پر غور کرنا کہ جس کی بدولت انہونی صورت پیدا ہوتی
 ہو ایک مدبرانہ اداس ہے۔ اس الہامی اور وہی سلسلہ میں وہی تخلیق کار جم سکتا ہے

ہی صفحہ قرطاس پر مہر معانی ثبت کر سکتا ہے یہ بخشیش غیبی ہاتھ پر رکھی آتی
 ”کوئی شام شہر خراب میں“ والی سرخ شام اپنی سرسری یادیں اپنے
 میں سمیٹتے ہوئے سیاہ شب کے اندر جا چھپی ہے۔ ایک تاریک رات راستہ
 صرف روشنی ہی نہیں اٹھاتی بلکہ خوف بھی اتارتی ہے یہ تو امیدِ سحر ہے جو راہ
 منزل کی سمت کھینچتی رہتی ہے بعض اوقات تو انا گھوڑے کی طرح اور بعض
 تھکے ہوئے بیل کی طرح، اس بیلِ اسود کے سمندر میں آنکھ سے گرنے والا
 روشنی کرتا ہے۔ یہی عاجزی میری طاقت ہے اور فطرت کی کمزوری۔

افسردگی، مایوسی یا اداسی مستقل کیفیت کا نام نہیں اسے بارِ دگر محسوس
 سے پہلے کہیں کھونا پڑتا ہے۔ نوح خوانی اور ماتم ایک لمحاتی رد عمل ہے۔ آ
 کا زور رفتہ رفتہ انجام کو پہنچتا ہے، کسی بھی لمحے کا انجام حتمی نہیں ہوتا۔ تخلیق
 سطح پر تو ہر انجام ایک نیا آغاز فراہم کرتا ہے۔ کہیں ملاپ یا جدائی کے سگ
 فرصت یک نفس مہیا ہو جائے تو سورج درِ عقل پر دستک دیتی ہے اور یہا
 آ کر انسان اپنے جذبوں کو باہم برسرِ بیکار دیکھتا ہے۔ اس جنگ میں اپ
 ماتحت سائے جذبے اختیار سے باہر ہو جاتے ہیں۔

صراطِ مستقیم سے تھوڑا سا انحراف اس کے سیدھے پن کا احساس اجا
 کرتا ہے۔ اسے لغوات کے زمرے میں نہیں لایا جا سکتا۔ یادوں کے سا
 شام کے دھندلکے کو سنہرا کر دیتے ہیں۔ خیال کے بادل ہوائے غم کے را
 مل کر اڑتے بھی ہیں مگر کچھ عرصہ بعد زمینِ دل کو جل تھل بھی کر دیتے ہر
 جہاں لہو اور بارود کی بو ایک سی ہو جائے وہاں حواسِ خمسہ میں انتشار پ
 ہو جاتا ہے اس غزالی کی داستان ”ادھوری رات کا غم“ اور ”کوئی شام شہرِ خراب

جو ہر نتیجہ کے سود و زیان کا تخمینہ لگا کر توازن قائم کر سکے۔

لوگوں کی منفی تصویر آئینہ دل کو دھندلا دیتی ہے۔ اس مایوسی کا تار و پود رگوں سے پھوٹتا ہے اور پورے جسم کے اندر جال بُن دیتا ہے جہاں اُمید کا پتھری مدتوں پھٹ پھٹاتا رہتا ہے۔ مکمل نا اُمیدی میں بھی یہ کاوش احتجاج اپنا ہی مزہ رکھتی ہے اس بے دست و پائی میں فکر مندی، بہت ضروری ہے، اگر محبت کے ذریعہ اس بے جذبہ صورتِ حال کا تدارک ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس لافانی احساس سے مایوسی کے زہر کا تریاق پیدا کیا جا سکتا ہے۔

بے چینی اور بے سکونی تخلیق کے ارفعی و اعلیٰ لمحات میں میسر آتی ہے یا پھر مکمل غیر تخلیقی موسم میں نخلِ جاں پر اترتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان بے اثر ساعتوں کو بار آور کیسے بنایا جائے۔ زمین فہم و ادراک کی آبیاری سحر گاہی میں کی جائے۔ مگر اس اہتمام کے باوجود ایک احتمال انتشار اس میں ضرور ہے، عمل اور ردِ عمل کو ذہن پر برداشت کر کے ہی دل کو کسی کارِ خیر میں اثبات تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ بے رنگ دورانِ نیے کا *saturation point* بھی جلد آجاتا ہے مگر اس کا انتظار تو واجب ہے۔ رنگین دورانِ نیے غم کا استعارہ ہیں اور ان کو ظاہر کرنے والے نقاط بعض اوقات خط کی صورت پیدا کر دیتے ہیں۔

سکون اور طوفان ایک ہی سمندر کی دو حالتیں ہیں اور ہر دو ایک دوسرے کی پہچان بھی۔ ہر حالت اپنی جگہ معتبر ہے۔ اسی طرح ادب میں شہرت اور بے نامی زندگی کی دو صورتیں ہیں۔ اصل میں شہرت ایک کر زما ہے اس میں ضروری نہیں کہ بے نامی کر رد کرنے کا عمل ہو۔ شہرت پراپکینڈا سے اور بے نامی کھٹھلان سے مختلف ہے، مجسٹ تاج محل کی ہو یا کٹیٹا میں پیدا ہونے والی دونوں ایک

بے ساختہ پھوٹے ہوئے چشے کی طرح ہیں جو سنگلاخ زمین کی چھائی کو چیر کر نکل پڑتا ہے۔ محبت کو شہرت کی ضرورت نہیں تاہم شہرت نخلِ مجسٹ کو ثمر کی طرح لگتی ہے اور بیج بن کر ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ یہ چیز آخر کار تمام ارد گرد کو متاثر کرتی ہے اور یہیں سے زندگی کی شاعری جنم لیتی ہے۔

میرے ہاں شعر کے لیے ہر شے محرک ہوتی ہے۔ مگر ہر تحریر ایک حسن خیال کو پیکرِ شعر ہیں نہیں ڈھالتی۔ تصورات اور خیالات تو ہر آن پیرائے اظہار میں آنے کے لیے کمپیوٹر انڈرستے ہیں۔ مگر اس کمپیوٹر کی پروگرامنگ خواہش کے برعکس دل کے ماتحت ہوتی ہے۔ یہ کمپیوٹر جو کس قسم کے ذریعہ *feed* کیا جاتا ہے بعض اوقات درونِ ذات کی تعال قوت اس کے سارے منصوبے تھس تھس کر دیتی ہے۔ دماغ کی کنٹرول لائن بھی دل کے تابع ہے۔ جہاں سے وہ تمام کمپیوٹر کو *remote* فراہم کرتا ہے، وگرنہ خود کار یکسانیت کا اندیشہ رہتا ہے۔

اس شعر کی مجموعے ”کوئی رقم بھی نہ بچھا سکا“ میں بھی ایک ایسا ہی تخلیقی رُخ آپ کے سامنے آئے گا۔ یہ نیا ذائقہ بھی ہے اور پرانے کے ساتھ ملا ہوا بھی۔ نئے سے دوبارہ انحراف بھی کہ حال کو ماضی کے ساتھ دوبارہ جوڑا جا سکے۔

سعد اللہ شاہ

۵۲/۵ ٹیپو بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

خبر لیس

جو ایک بار ملے ہیں کہاں مدام ملے
 خوشی کی بات ہے جتنی دفعہ سلام ملے
 نہیں ہے دعویٰ سخن کا کہ ہم بھی جانتے ہیں
 کسے خبر ہے کہ کس شعر کو دوام ملے

حَمْدُ بَارِيَّ جَعَلَا

مری منزلوں کو جو غیب سے ملے راستہ اے مرے خُدا
تو میں جسم و جان کا جوڑ لوں کوئی رابطہ اے مرے خُدا
تو علیم بھی، تو قدیر بھی، تو عظیم بھی، مری لاج رکھ
مری ذات پر نہ اتارنا کوئی سانحہ، اے مرے خُدا
جو ہمیشہ تجھ سے ڈرے رہیں ترے سامنے ہی جھکے ہیں
مرا ساتھ ان کے ہی ساتھ کر جو کریں ثنا، اے مرے خُدا

مجھے ہر شش سے نکال دے، مجھے سیدھی راہ پر ڈال دے

وہ جو آنکھ خود کو بھی دیکھ لے، مجھے کر عطا اے مرے خدا

ترے مصطفیٰ کا ہوں اُمتی، تری رحمتوں کی طلب مجھے

ترے اذن سے ہیں ثنا عین تو ہی آسرا، اے مرے خدا



شام گہری ہو رہی ہے دیکھنا

یہ پھڑنے کی گھڑی ہے دیکھنا

دم بخود ہیں پیڑ پیچھی اور میں

رات بھر کی تیرگی ہے دیکھنا

وقت گزرا جا رہا ہے دم بدم

اور اپنی بے بسی ہے، دیکھنا

رات کی رانی سے مہکی سانس اور

چال بھی بے ربط سی ہے دیکھنا

سعد اپنا مال و زر ہے بس یہی

اس فضا میں زندگی ہے دیکھنا

ہم بھلائیں اس کو اس ماحول میں!

سعد اپنی سادگی ہے دیکھنا



ہو اے درد چلی تو ترا خیال آیا

تو خار ہو کے بھی اک پھول کی مثال آیا

عدو کو اپنے میں خود سے بڑھا کے دیکھنا ہوں

شکست کھائی تو پستی پر یہ کمال آیا

ملا لڑتے ہیں وہ تیرا شریک تھا شاید

نغم حیات کو باہر سے ہی میں ٹال آیا

بچھڑنے کے اس سے ملا ہے میں بھی کیا کیا کچھ

فراق رستے میں اپنے ہر اک وصال آیا

یہ جو عشق تھا یہ جو پیار تھا مرا خواب تھا
 کسی اور درد کا شہر بھی تہہ آب تھا
 یہ عجیب ہے کہ میں بے خبر رہا خود سے بھی
 مرے ہاتھ سے جو نکل گیا وہ شباب تھا
 دل و جاں میں جیسے اٹک گیا کوئی خا رسا
 مرے کوٹ پر ترے ہاتھ کا جو گلاب تھا
 تھیں جو مہر و ماہ کی گردنیں وہ کہاں گئیں
 کہیں اور ہی مرے روز و شب کا حساب تھا

بڑھائے گی یہ خوشی بھی تو غم کی شدت کو
 اگر عروج پہ آکر مجھے نوال آیا
 دیا جواب اگرچہ ہر ایک دشمن کو
 مگر نہ پوچھ جہاں دوست کا سوال آیا

ترے پیار میں مری چاہتوں کی تھی بے بسی
مجھے کیا خبر یہ گناہ تھا کہ ثواب تھا

وہ وصال تھا کہ فراق تھا مری ذات سے

مرے پاس کوئی سوال تھا نہ جواب تھا

مرے سعاد چھوڑ دے سوچنا کہ یہ عشق ہے

جسے پیار تو نے سمجھ لیا وہ عذاب تھا

○
کوئی الزام محبت پہ نہ اب آنے دو
ختم ہوتا ہے اگر ربط تو ہو جانے دو

شمع جلتی ہے تو جلتی ہی چلی جاتی ہے
اس کے پہلو میں پڑے رہتے ہیں پروانے دو

ہار کا زخم تو سینے سے چمٹ جاتا ہے
یہ جو بہلاتے ہیں اب دل کو تو بہلانے دو

ڈھیر غلے کا اگر ہے تو نہیں اس کے لیے
چونچ میں چڑیا کے آتے ہیں فقط دانے دو

بوجھ اٹھانا نہیں ممکن رہا اب میرے لیے
 جیسا یہ کم ہے کہ اٹھا رکھے ہیں جو شانے دو
 درد لمحوں میں کوئی لمحہ سکوں سے گزے
 دل جو دہراتا ہے باتوں کو تو دہرانے دو
 اُس کی یادوں کا گزر جیسے کوئی نعمت ہے
 یہ ہے خوشبو تو اسے رُوح کو مہکانے دو
 میں جو بار بار ہوں تو پھر اتنا تو حق دو مجھ کو
 چند گھڑیوں کے لیے ہی مجھے پھینانے دو

زمین تنگ رہی آسمان کھلنے تک
 تھا خوف تیرا لیکن کمان کھلنے تک
 وہ لفظ لفظ مرے دل میں مضطرب ہی رہا
 بندھا ہوا تھا وہ جیسے زبان کھلنے تک
 طنائیں کھینچنے والے سے پوچھ کر دیکھو
 ہوائیں تھیں بھی کہیں بادبان کھلنے تک
 ہر ایک بات مہمّاد کھائی دیتی ہے
 مگر یہ راز ہے دل پر جہان کھلنے تک

عجیب بات کہ ہم پر ہوا بھی بند رہی
 سردی پہ ابر کا اک سائبان کھلنے تک
 پلٹ سکو جو یہاں سے تو پھر پلٹ جاؤ
 فصیلِ جاں سے کوئی دید بان کھلنے تک

○
 وہ چاند تھا تو مرے گھر پہ ہی چمکتا کیوں
 صبا تھا وہ تو کسی دسترس میں رہتا کیوں
 مجھے تو شوق نے رکھا ہے ایک عالم میں
 میں کیا بتاؤں کہ مجھ سے خفا ہے دنیا کیوں
 میں صاف صاف بتا دوں کہ درد کس نے دبا
 خود آپ اپنے ہی غم کو بڑھا لوں، اچھا کیوں
 تمہاری سوچ بھی اپنی جگہ غلط تو نہیں
 اگر وہ سانپ نہ ہوتا تو مجھ کو ڈستا کیوں

حواس باختہ ہو کر کہا تو ہو گا مگر
 وہ میری دُنیا سے سچ مچ نکل ہی جاتا کیوں
 بصیرتوں سے بصارت کو رنگ ملنے ہیں
 میں غور و فکر کے لمحات کو گنواتا کیوں
 اے سعد فطرتِ گل بھی تو آدمی سی ہے
 دُعا نہ مانگنا ہوتی تو پھول کھلتا کیوں
 کبھی کے درد کی قیمت اگر نہ ہوتی کوئی
 تو اس طرح سہرا بازار سعد بچتا کیوں

جو ایک بار ملے ہیں کہاں مدام ملے
 خوشی کی بات ہے جتنی دفعہ سلام ملے
 نہیں ہے دعویٰ سخن کا کہ ہم بھی جانتے ہیں
 کسے خبر ہے کہ کس شعر کو دوام ملے
 ہیں خواہشات پہ مٹی ہمارے سارے خواب
 وہ جب ملے ہیں کبھی ہم سے ہم کلام ملے
 عجیب درد تھا اس کی خوشی کے اندر بھی
 کچھ جیسے رات کی چوکھٹ پہ آکے شام ملے

○
زندگی کے ساتھ ہیں خدشات بھی
دن گزارا ہے تو کاٹورا سبھی
کس قدر ہے بوجھ میرے ذہن پر
کیوں گراں تھی اس پہ کرنا بات بھی
یہ زباں تو پہلے دن سے گنگ ہے
اب مخالف بولتے ہیں ہات بھی
دشمنوں سے رابطے کاٹے گئے
دوستوں نے ہے لگائی گھات بھی

کوئی بھی کام ہو مقصد ہے مختلف سب کا
کسی کو دام ملے تو کسی کو نام ملے
ہمیں بتاؤ کہ آزاد کس طرح ہیں ہم
اگر یہ ہے تو ہمیں بھی کوئی مقام ملے
یہ سانحہ ہے کہ سب کچھ ہی لٹ گیا اپنا
ہمیں ملے بھی تو اپنے لہو کے جام ملے

اک پزندہ آنکھ سے اوجھل ہوا
 اور ہمتا رہ گیا اک پانس بھی
 خاک زادے تو بس اتنا یاد رکھ
 جان لیوا ہے بھری برسات بھی
 کیا بتائیں ہم کہ اپنے آپ سے
 جیت کر بازی ہے کھائی مات بھی
 سعد گو وہ جنگ میں مارا گیا
 کام آئی اس میں اپنی ذات بھی

○
 کسی بھی دہم کو خود پر سوار مت کرنا
 خیال یار کو گرد و غبار مت کرنا
 خلاف واقعہ کچھ بھی ہو سننا لینا
 یہی طریقتہ مگر اختیار مت کرنا

تمہاری آنکھ میں نفرت ہو دوسروں کے لیے
 تم اپنی ذات سے اتنا بھی پیار مت کرنا
 نشہ چڑھا ہے تو پھر یہ اتر بھی جائے گا
 جو ہے سرور تو اس کو خمار مت کرنا

کوئی بھی رُت ہو وہ اپنا جمال لکھتی ہے
 غزاں جو آئے تو اس کو بہار مت کرنا
 غموں کے ساتھ تو جینا ہے عمر بھر کے لیے
 خوشی کے ساتھ تو ان کو شمار مت کرنا
 کسی کو جان کے انجان بن کے ملنا سعد
 کسی کے ساتھ بھی یہ ظلم پار مت کرنا

○

عدو سے جنگ میں پنجر لڑا کے دیکھیں تو
 وہ شاہ زور سہی، آزما کے دیکھیں تو
 جھکا دیں خود کو کبھی ہم فراز حق کے لیے
 انا کو اپنی ذرا سا بھلا کے دیکھیں تو
 شکست و فتح تو آ کر یقین پہ پٹھرے گی
 کہ کشتیاں کبھی اپنی جلا کے دیکھیں تو
 کسی بھی لہجے میں چاہے کسی زبان میں ہو
 کوئی بھی حرفِ دُعا دل میں لا کے دیکھیں تو

ہمارا عشق ابھی تک یقین پر قائم ہے
 اب اس یقین پر عمل کو بڑھا کے دیکھیں تو
 اگرچہ خشک ہیں باتیں مگر یہ کام کی ہیں
 اسی ڈگر پہ کہانی بنا کے دیکھیں تو

○
 ہر نل جیسے پاس لگے ہے ایک پہاڑ کی چوٹی
 ایسے ہی مری آنکھ میں میری خواہش ٹھہری چھوٹی
 کونسی بات ہے زندہ رہ کر ہو جو مجھ سے پوری
 چکر میں ہے متے دم تک گندم کی اک روٹی
 ہر ناکامی پر میں نے اک نیا بہانہ ڈھونڈا
 کچھ نہ بنا تو کہہ دیا میں نے قسمت میری کھوٹی
 اتنا کہہ کر دیکھو میں تو ہر الزام سے نکلا
 میری بات سمجھ نہیں پایا جس کی عقل تھی موٹی

اپنے ہاتھ کو دیکھا اس نے اور اتنا فرمایا
 گوڑھا رنگ تو چڑھتا ہے پھر ہو جو مندی گھوٹی
 سعد کہانی کتنی پرانی لیکن آج بھی زندہ ہے
 اب بھی دیکھو وہیں ہے لومڑا اور کوسے کی بوٹی

وہ وقت تھا کہ کسی کا ہمیں خیال نہ تھا
 ہماری آنکھ پہ ظاہر ابھی جمال نہ تھا
 ہم اپنی ذات میں رہتے تھے کھوئے کھوئے سے
 ہمیں کسی کے پھڑکنے کا کچھ ملال نہ تھا
 ہمیں زمانے نے سب کچھ سکھا دیا ورنہ
 ہمارے ہاتھ میں ایسا کوئی کمال نہ تھا
 میں جانتا تھا کہ آئے گا ایک دن لیکن
 مگر عروج میں پہناں یوں اک نوال نہ تھا

یہ بات الگ ہے کہ وہ بھی جواب دے دیتا
 مگر ہمارے لبوں پر کوئی سوال نہ تھا
 یہ کیا طلسم کہ اک دوسرے کو جان گئے
 اُرچہ رابطہ اپنا کبھی بجال نہ تھا

مجھے زمانے سے پہنا ہے، دور ہٹنا ہے
 اور اس کے بعد مسائل سے بھی نمٹنا ہے
 ہر ایک سمت کوئی خوف سا ہے طاری یہاں
 ردائے یاد میں گویا اے دل لپٹنا ہے
 مجھے تو چاہئے دنیا جہان کی وسعت
 کہ اپنی ذات میں مجھ کو بھی اب سمٹنا ہے
 یہ دنیا کتنی حسین ہے کہ ہر کسی کو یہاں
 پچھڑتے وقت بھی اس کو ہی جا چمٹنا ہے

مجھے تو اپنی پولش نے مار ڈالا ہے
 ہے اس سے کیا کہ جو اوزون کو بھی بھٹنا ہے
 پرانی بات ہے جب لوگ ایسے سوچتے تھے
 کہ ایک دو بجے پہ آفر ہمیں جھپٹنا ہے

مجھے بچاؤ کہ میں بھی بھٹک نہ جاؤں کہیں
 تمہارا ہاتھ پکڑ کر بھٹک نہ جاؤں کہیں



بشر ہوں میں تو یہ حق بھی ادا کروں یارو
خطا کروں جو نہ کوئی خطا کروں یارو
لوازماتِ محبت میں یہ بھی شامل ہے
جسے منانا ہو اس کو خفا کروں یارو
اڑا کے مجھ کو کسی نے خلا میں پھینک دیا
کہ میں بھی وزن سے باہر رہا کروں یارو
ہوں بادبان سے لڑتی ہوئی ہوا کی طرح
میں ساتھ کشتی کے کیسے چلا کروں یارو

جو رالطوں میں ہمارے خرابی باقی ہے
تو پھر سمجھ لو کہ نقشِ وفا بھی باقی ہے

یہ غم زدہ سی کہانی جو زندگی ہے مری
 وہ چاہتا ہے، اسے بھی لکھا کروں یارو
 وہ بات جو مرے دل میں کبھی نہیں آئی
 میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی سُنا کروں یارو

○
 اک نیا راستہ نکالا ہے
 ہم نے منزل سے خود کو ٹالا ہے
 خالی ہاتھوں ہوا کے اندر بھی
 اُس نے اک گیند سا اچھالا ہے
 خوف بھی ہے بہت اماں بھی ہے
 اس مکاں میں کہ جس میں جالا ہے
 پھر اسی کو چنیں گے ہم سب لوگ
 جس کے ہاتھوں میں تیز بھالا ہے

ہم ہواؤں سے خواب پکڑیں گے
 ہم نے نظروں کا جال ڈالا ہے
 اڈکانٹے بکھیر دسنے میں
 میرے پاؤں پر بھی تو چھالا ہے

○

مری خواہشوں کی صورت مراد ہم ہے یہ سارا
 نہ کسی نے مجھ کو چاہا نہ کسی نے ہے پکارا
 تری صورتوں سے کھیلیں یہی مشغلہ ہمارا
 کبھی اس کو ہے بگاڑا، کبھی اس کو ہے سنوارا
 مری چاہتوں کے اندر ہے عجیب سی یہ منطق
 جو نہیں ہے چیز میری مرا اس پر بھی اجارا
 یہ جو تم سمجھ رہے ہو ہے گمان سے بھی آگے
 ذرا خود سے باہر آ کر مجھے سوچنا دو بار

مری سوچ بھی جدا سی مرا غم بھی ہے جدا سا
 تری آنکھ سے ہے مخفی مری آنکھ کا اشارا
 تو سمجھ رہا ہے مجھ کو، میں سمجھ رہا ہوں تجھ کو
 یونہی دُور دُور رہ کر ہمیں کرنا ہے گزارا



ہم نے منزل کو جو اپنی خود ہی جادہ کر لیا
 گویا اپنے آپ کو ہی پا پیادہ کر لیا
 اک عمل جو اختیاری تھا وہ ہم نے یوں کیا
 آج سے ہی کام کرنے کا ارادہ کر لیا
 پھر پریشانی پہ اس کی درد بیکجا ہو گئے
 ہے خوشی کی بات ہم نے غم لبادہ کر لیا
 لا تعلق ہے جو تجھ سے اپنی بود و باش میں
 اس سے ہی وابستہ خود کو کیوں زیادہ کر لیا

چھت ہمارے رشتے کی تھی ایک ہی شہزادہ
شک کی دیک سے اسے ہم نے بڑا دکھ

کھتا وہ مظلوم ہے جو ہوش سے محروم ہے
اک تماشہ بن گیا جب شغل بادہ کر

گو ہے پھولوں میں خار ہے تو سہی

کوئی اپنا بھی یار ہے تو سہی

وہ اڑاتا ہے بس ہنسی میری

اُس کی نفرت میں پیار ہے تو سہی

اپنا احساس بھی نہیں مرتا

خود سنائی کو دار ہے تو سہی

مجھ کو یادوں سے جوڑنے کے لیے

اڑتی کونجوں کی ڈار ہے تو سہی

آسودگی جسم ہے روجوں کی زندگی
شیشے کا عکس ہے مے رنجواہوں کی زندگی

لہرا رہی ہے تارسی جیسے خلاؤں میں
کھنڈ روایتوں میں ہے جدت کی تازگی

اپنے تصورات سے لڑنا نہیں ہے سہل
دیکھو یہ من چھپا لے جو اپنی برہنگی

ممکن نہیں کہ دل بھی چلے ساٹھ عقل کے
بلے منزل مراد ہے ورنہ یہ دل لگی

گو یہ ڈالا ہے میرے دشمن نے
اس گلے میں بھی ہار ہے تو سہی

ہے بُرا یا بھلا مگر دل سے
تم پہ کوئی نثار ہے تو سہی

سنگ کاٹے گی دیکھنا اک دن
دل پہ بارش کی دھار ہے تو سہی

کھینچتا جاتا ہوں سعد اُس جانب
کوئی دریا کے پار ہے تو سہی

اس کا عکس بھیل میں لیکن بدل میں خوف
 پانی ہلا تو ساتھ وہ صورت بھی جائے گی
 ہے لطف تب کہ آنکھ میں ڈر با بھی پائے
 ورنہ تو بے جواز ہے اپنی یہ تشنگی!



احساس رائگانہی عمر رواں نہیں
 ناکامی حصول مری جاں کہاں نہیں
 ڈالے ہیں پردے حق پہ ہماری ہی عقل نے
 ورنہ ہماری آنکھ سے کچھ بھی نہاں نہیں
 ہاں ہاں بچائی ہم نے وہاں اپنی آبرو
 لکھی ہوئی تھی چہرے پہ اس کے جہاں نہیں
 ہم آسماں زمین سے کیسے جدا کریں
 کھتے ہیں اپنے سر پہ کوئی ساٹناں نہیں

کچھ غور کر کے دیکھو تو اپنی ہی ذات پر
 مگر اس میں بندگی کو کوئی آستان نہیں
 ہے جاگنے سے نیند ہی بہتر کہ کچھ تو ہے
 مقصد بغیر ورنہ کہیں بھی اماں نہیں

○

یہ رات دن کا بدلنا نظریں رہتا ہے
 ہمارا ذہن مسلسل سفر میں رہتا ہے
 نظریں اس کی تو وسعت ہے آسمانوں کی
 گو دیکھنے کو پرندہ شجر میں رہتا ہے
 ہمارا نام وہ لے لے تو لوگ چونک اٹھیں
 کہ فرد فرد ہمارے اثر میں رہتا ہے
 شجر شجر جو ثمر ہے تو دیکھ خود کو بھی
 جہاں نو کا تصور ثمر میں رہتا ہے

ہر ایک بات کا بالکل یقین آیا مگر
 ہمارا خوف تمہارے ”اگر“ میں رہتا ہے
 تجھے گماں ہے کہ منزل پہ تو پہنچ بھی گیا
 ہر ایک شخص یہاں رہگزر میں رہتا ہے
 اسے سکون ہے اس سے کہ ہم کوچین نہیں
 بس اک جنون ہماری خبر میں رہتا ہے
 نہیں ہے کچھ بھی وہ اے سعد بس خیال سا ہے
 مگر خیال کا سودا تو سر میں رہتا ہے

○
 ایک بادل سامری آنکھ میں بھی چھایا تھا
 سبز موسم مرے آنکھ میں اتر آیا تھا
 پیڑ پر میری تمننا کے نمودار پہ تھی
 ایک عالم پہ کوئی جیسے نشہ چھایا تھا
 ہر طرف پھیلی تھی خوشبو سے بھری تیز ہوا
 جسم کو روح تنک کون پکڑ لایا تھا
 کیفیت میری تھی اس لمحہ بیاں سے باہر
 ہیں جہاں بھی تھا مرے سر پہ کوئی سایہ تھا

کوئی بلبل، کوئی چڑیا کہ کوئی اور پرند
 ایسے موسم میں تو ہر ایک مجھے بھایا تھا
 سعد ایسے میں مرے دل نے کسی مستی میں
 ان سناگیتِ محبت سے بھرا گایا تھا



عجیب دن ہیں کہ سب منظروں سے باہر ہوں
 میں دائرے میں کھڑا دائروں سے باہر ہوں
 کرخت لہجہ مرا اُس کو کس طرح بھلائے
 میں پُراثر ہوں مگر ساحروں سے باہر ہوں
 اگرچہ میں بھی تھا شامل ہر اک لڑائی میں
 میں جشنِ فتح پہ کیوں فاعلوں سے باہر ہوں
 جو مجھ کو پڑھتا ہے اس کو نشہ بھی آتا ہے
 میں گھر چھوڑے ہوں مگر ساحروں سے باہر ہوں

ہمیشہ کشمکشِ زندگی میں رہتا ہوں
 میں اپنی ذات کے سب کافروں سے باہر ہوں
 کششِ بہت ہے مرے ارد گرد دانے کی
 مگر میں دُور کہیں طائروں سے باہر ہوں



جو اختیار سے باہر تھا اختیار کیا
 کہ نفرتوں میں بھی ہم نے سبھی سے پیار کیا
 کبھی جو سوچو تو اپنا خدا ہی حافظ ہے
 کسی نے اپنی خطاؤں کو گھر شمار کیا
 بنا کے یاد اُسے ہم بھلا بھی سکتے تھے
 بھلا کے اس کو یونہی ذہن پر سوار کیا
 خدا کرے کہ رہیں خاک بن کے راہوں میں
 ہمیں اڑا کے فضا میں کسی نے خوار کیا

خطا کہو کہ طبیعت مگر میں نادم ہوں
 کسی کے ساتھ جو رشتہ نہ استوار کیا
 کرشمہ ہے یہ اسی کا کہ پل بچھکتے ہی
 بغیر ایک کے اس نے مجھے ہزار کیا

○

خیال تھا کہ میں خود سے وفا کروں یا رو
 الجھ گیا ہوں میں دنیا میں کیا کروں یا رو
 یہ رابطے ہیں کہ الجھے سے ریشمی دھاگے
 پڑیں گی گانٹھیں جو ان کو جدا کروں یا رو
 ہنسی تو آتی ہے اس پر کہ مشورہ ہے خوب
 کہ غم جھلا کے میں سارے ہنسا کروں یا رو
 ہو اختیار میں میرے اگر یہ سوچ مری
 میں اپنی ذات کا عقدہ تو واکروں یا رو

انا کی بات ہے ورنہ یہ دل تو کرتا ہے
 کہ اُس گلی میں کبھی میں صدا کر دوں یا رُو
 یہ خواہشات کے سچھی جو قید ہیں مجھ میں
 ہے دل میں اب کہ میں ان کو رہا کر دوں یا رُو

تم ایک سمت سے آئے ہو اس لیے خوش ہو
 پہا سمت جو دیکھے وہ کس لیے خوش ہو



نہیں محدود داب اس کو سنانے تک

غزل پھیلی ہے دیکھو اک زمانے تک

گزرنا جا رہا ہے وقت ہاتھوں سے

مگر خاموش بیٹھے ہیں سب نے تک

وہ کیسا شخص تھا اے سدا دیکھو تو

مسلل رو رہا تھا جو ہنسانے تک

ابھی جو بات ٹھہری ہے تانے تک

اسے ہم لے ہی آئیں گے منانے تک

سمجھ رہے ہیں کہ کیا کچھ ہمارے کام کا ہے

مگر خیال ہمیں منصب و مقام کا ہے

ابھی کچھ اور گزرے گی تذبذب ہیں
 ابھی وہ بات لانا ہے بہانے تک
 نہیں اس میں کوئی منطق یقین مانو
 کہ جائیں ہم اسے دل کی بتانے تک
 نہیں پہچانتا کوئی کسی کو سدا
 لٹی ہے اب کے سستی بھی گھلانے تک

○

میں جیتا ہوں نیا منظر بنانے تک
 مگر اس میں پرانے کو بچانے تک
 جہاں آتش فشاں تھا عشق کا جذبہ
 وہاں قسمت مجھے لائی دہانے تک
 بہت محسوس ہوتی ہے جدائی بھی
 کہ آنسو جب پہنچتے ہیں سر ہانے تک
 اسے نقشِ محبت سے بہت چرٹ تھی
 وہ ملتا ہی رہا دل کو مٹانے تک

محبت کی یہ دُنیا ہے تو ویرانہ
 مگر کوئی نہیں پہنچا خزانے تک
 بہت ہی خاموشی میں گھر گئے ہیں سعد
 یہی عالم رہے گا ابر چھانے تک

○

ہدف اس کا ہے پہنچا اب نشانی تک
 وہ آیا ہے مجھے بھی آزمانے تک
 اسے یہ فن بھی آتا تھا کہ اُس نے تو
 رکھا ہے سرد دل کو بھی، جلائے تک
 مجھے انصاف کیا ملتا کہ میں تو تھا
 فقط کچھ اور شور و غسل مچانے تک
 مری دستار اور یہ سر کسی کے ہیں
 مرا ہے کام بس ان کو اٹھانے تک

نہیں آسمان حقیقت کو سمجھ لینا
ہیں کتنے سچ جو آتے ہیں فسانے تک!

مزا ہے سعد اظہارِ محبت کا
مگر اک غم جو پنہاں ہے چھپانے تک



یہ زہر بھی زمانے ترے ہاتھ سے پیا

تُو نے اُسے بھی میرا ہی دشمن بنا دیا

ممکن نہیں تھا اس کے لیے دشتِ کاسفر

اچھا ہے مجھ سے اس نے کنارہ ہی کر لیا

ہم نے جو اعتماد کیا اپنی آنکھ پر

لے جان مانتے ہیں بہت ہی بُرا کیا

تھا تارِ سعد یہ دامن بُری طرح

ادھڑا ہے یہ کچھ اور بھی جب جب لے سہا

اے سعد ہم کسی سے بھی ملنے نہیں گئے
تنہاٹیوں کا زہر بڑی شان سے پیا



جس چہرے پر اوس کے پھینٹے وہ چہرہ گلزار ہوا
جو بھی آگ بھانے آیا اس کو آگ سے پیار ہوا

منظر کی تکمیل کے پیچھے یوں اتنی بے چینی کیوں
جس سے ادھورا پن ہے غائب وہ کیسے شہکار ہوا

سب کچھ جانتے بوجھتے ہم نے پیار کیا تو کیسے کیا
اس رستے پر جو بھی آیا منزل منزل خوار ہوا

ہم بھی افراتفری میں ہیں اور ہیں جانے کس کھلیے
اپنے ہاتھوں اپنا جیسا کیونکر یوں دشوار ہوا



اس ہوانے وہی کیا آخر
 دیپ جلتا بجھا دیا آخر
 اپنے سچ پر اسے یقین نہ تھا
 بھوٹ کا زہر بھی پیا آخر
 کون آتا ہے پھر تسلی کو
 جب تڑپتا ہے یہ جیا آخر
 ہم بھی دُنیا کے ساتھ چل نکلے
 زخم اپنا جو ہے سیا آخر

نہ جانے کیوں یقین آتا نہیں ہے
 کیا ہے اس نے سب ظاہر، بظاہر

زخم کی سداک روایت تھی
 زخم اپنوں نے ہی دیا آخر

جو اپنی ذات میں خود کو چھپا لیا میں نے
 تباہیوں سے زمانہ بچا لیا میں نے
 وہ میرے ہاتھ کی مٹھی میں تھا ہوا کی طرح
 وہ نقش اب تھا جس کو اٹھا لیا میں نے
 وہ میرا دیکھنا اس دم جو دکھت کوئی
 کہ عمر رفتہ سے لمحہ چرا لیا میں نے
 وہ نیگلوں سی فضائیں ہری بھری خوشبو
 ہے جھیل آنکھوں میں گلشن بسا لیا میں نے

کسی کے طرزِ تغافل کا ذکر منہ پھیڑو
 بس اس نے سُن لیا سب کچھ سنا لیا میں نے
 ستارہ وار وہ آیا تو تھا کشش پہ مری
 مگر جو راستے سے خود کو ہٹا لیا میں نے
 مجھ ایسے شخص کو اب یہ نصیحتیں کیسی
 کہ درد سینے میں جس دم دبا لیا میں نے

○
 بڑھتی جاتی ہے اکتاہٹ
 سُننا نہیں کوئی دل کی آہٹ
 گزے دور کی یادیں ہیں سب
 سوکھے کنویں اور خالی راہٹ
 جیسے سمندر میں اک طوفان
 اپنے اندر کی جھلاہٹ
 راستے میں مرے کوئی نہیں ہے
 کس نے کہا ہے مجھ کو جاہٹ

روح کے کانوں سے کبھی سُن تو
من میں شیر کی سی غراہٹ



ہیں مطمئن جو آپ تو قسمت ہے آپ کی
شاید یہی سکون ضرورت ہے آپ کی
بے برقرار آئینہ خانہ ابھی مرا
پتھر کی مثل موم سی صورت ہے آپ کی
رشتہ ہے میرا آپ سے موتی کا سیدھے
شاید مرے وجود میں لذت ہے آپ کی
زخموں پر میری دیر سے ہیں آپ خندہ زن
بلے مایہ کے لیے یہی نصرت ہے آپ کی

جتنے وہاں کے غم ہیں سمٹتے ہیں آ کے یاں
 وحدت میں کوئی دیکھے تو کثرت ہے آپ کی
 کچھ بھی نہیں ہے پاس مرے پیار کے سوا
 محفوظ میرے پاس امانت ہے آپ کی
 اے سعد آپ آپ کی تکرار کس لیے
 سب سے چو کہ شہر شہر تو شہرت ہے آپ کی

○
 نہیں آیا کوئی مجھ کو بچانے تک
 وہ شامل تھا مگر طوفان اٹھانے تک
 حقیقت تو عیاں ہوتی ہے ایسے ہی
 یہی تھا بھید باریاں نکھیں چرانے تک
 مجھے تو پل جھپکنے ہی ملا سب کچھ
 نہ دھڑکا دل اسے دل میں بسانے تک
 کرو تم جھوٹ بھی شامل جہاں تک ہو
 مگر دیکھو کہانی کے سنانے تک

تمہاری سرد مہری بے رنجی، نفرت
 یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن تازے تک
 مسلسل مدعا اپنا بیاں کر سہ
 مری چاہت کو اس دل میں بسانے تک

○
 گو تھا سچ فسانے میں
 دیر کی سُنانے میں
 خاک ہو گئے ہیں ہم
 راستہ بنانے میں
 خامشی کو اور ٹھہ لے
 شور ہے زمانے میں
 خرچ ہو گئی زہیں
 آسماں بنانے میں

وہ بھی رو دیا تو کھیا
 درد تھا فسانے میں
 چھپ رہا ہے پیڑ بھی
 اب کے آشیانے میں
 عافیت ہے سعادت جی
 اس کو بھول جانے میں

○
 میں ہوں خلا نورد تو کیا وزن ہو مرا
 لیکن نہیں ہے بوجھ کسی پر مرا ذرا
 سایہ جو صبح سے ہی مرے ساتھ ساتھ تھا
 ہوتے ہی شام کیوں مری پہچان لے گیا
 مُدّت ہوئی ہے آپ کو ہم جانتے نہیں
 معنی پہ غور کیجئے جو آپ نے کہا
 ہم نے سفر سے اپنے نکل لے کئی سفر
 منزل سے دور رہ گیا اپنا کیا دھڑل

نیزے گڑے تھے دھوپ کے چاروں طرف بگ
 برگد کا پیڑ دھرتی پہ سایہ بنا رہا
 چاہا ہے اس کو ہم نے توڑنے کی چوٹ پر
 ہاں ہاں ضرور دو مجھے اس جرم کی سزا
 اے سعد ہم نے خاک چھپایا ہے پیار کو
 ہر ایرا غیرا ہم کو یو نہیں جاننے لگا

○
 بھرا دامن بھگونے سے
 دھیلے گے داغ دھونے سے
 یہ اکثر دل میں آتا ہے
 کہ ہم بھی ہیں کھلونے سے
 یہ نفرن کیا محبت کیا
 تھا سب کچھ اس کے ہونے سے
 یہ دل آباد رہتا ہے
 مسلسل اشک بونے سے

ہے دھاگر انگلیوں میں اب
 بہت موتی پرونے سے
 کوئی تو جاگ اٹھے گا
 مرے بیدار ہونے سے

یہ دل آباد ہوتا ہے
 کسی کے دکھ پہ رونے سے
 اٹھاؤ سعد خواب اپنے
 جو نخل کے پچھونے سے

○
 ہوئے ساکت مناظر بھی کہ جیسے فلم چلتی ہے
 ہماری عقل جامد کو تھرک میں بدلتی ہے
 دیا قدرت نے ہر شے کو مقابل ملنے والا بھی
 مری آنکھوں میں پانی ہے تو دل میں آگ جلتی ہے
 میں اپنی سمت دیکھوں تو وہی ہے اک عمل جاری
 برابر دن گزرتا ہے برابر رات ڈھلتی ہے
 عمل بیدار ہونے کا کوئی تخلیق ہے شاید
 سحر ہوتے ہی فطرت نیم دانکھوں کو ملتی ہے

مسلسل آگ کی صورت دھواں بنتا ہے صحرا بھی
ہوا جب ریگزاروں میں کسی شے کو مسلی ہے

زمین کا آسمانوں سے پھڑنا ہی نہیں پہنار
کہ یہ پانی کی صورت ہی تو دل کی آگ اُگتی ہے



موت اک درندہ ہے زندگی بلا سی ہے

صبح بھی ادا سی ہے شام بھی ادا سی ہے

اپنی انتہا پر ہم شاید ابتدا میں ہیں

تب بھی بے لباسی تھی اب بھی بے لباسی ہے

بادلوں کو آتا ہے لوٹ کر اسی جانب

یہ زمیں ہی پیاسی تھی یہ زمیں ہی پیاسی ہے

یہ بھی ایک نعمت ہے کاش تم سمجھ پاؤ

زندگی کے اندر جو اپنے اک خلا سی ہے

جاننا تو سب کچھ ہے وہ بھی میرے بالے میں
 کیا کریں جو ظالم میں خوئے ناشناسی ہے
 فرق ہے تو ہم میں ہے وقت ایک جیسا ہے
 سن چھیلنے ہے یہ یا کہ سن چھپای ہے

دور رہا ہے مرکز سے جو پیارے ایک زمانے تک
 اُس کو کچھ تو وقت لگے گا واپس خود میں آنے تک
 ڈھونڈتے رہتے ہیں آسانی پل پل ہم اس دُنیا میں
 ٹالتے ہیں ہر کام کو کل پر پھر سے نئے بہانے تک
 ہر اقدام غلط ہے اپنا اور ہم سب کچھ جانتے ہیں
 خود کو بھی چکر دے لیتے ہیں بات اپنی منوانے تک
 جلنا اور جلانا دونوں ایک ہی کام کے دو سُخ ہیں
 شمع جلی پھر آخری دم تک اور جلی پروانے تک

سُنی سنائی بات نہیں ہے اپنی آنکھوں دیکھی ہے
 اُن آنکھوں کی بات چلی تو پہنچی پھر میخانے تک
 جتنی مرضی تلخ کہو تم سُننے والے بیٹھے ہیں
 کتنا ہم بے چین رہے ہیں تازہ زخم اٹھانے تک

عجب طرح کا یہ بیگانگی کا عالم ہے
 کہ سرد فرد پہ دیوانگی کا عالم ہے



آگ سے آگ لڑ گئی ہے

ایک مشکل سی لڑ گئی ہے

یہ بلائے ہوا مجھے بھی

کیوں طمانچہ سا جڑ گئی ہے

چند لمحوں کی یہ مجھٹ

اک فسانہ سا گھر گئی ہے

بات کچھ بھی نہیں اگرچہ

ذہن میں یونہی اڑ گئی ہے

میں جان و دل سے ہوں حاضر اگر حضرت ہو

نکالنے کو مجھے دل سے 'حس' نکالو تو

اک جڑی شاخ جھک گئی کہیں
 بھر گئی ہے کہ جھڑ گئی ہے
 اس کا پانی سے کیا بنے گا
 جو پنیری کہ سڑ گئی ہے



جس نے دیکھا پار تک
 آگیا وہ دار تک
 ایک پتھر ہی تو ہے
 سر جو ہے دتار تک
 دوست بن کر سب لے ہے
 اپنی اپنی مار تک
 اک خلش تھی زخم کی
 پھول آیا خار تک

ہم ہوئے آباد تب
 جب لٹا گھر بار تک
 سر سے مطلب کیا انہیں
 جو گئے سرکار تک
 سب ہیں اک پر ڈار میں
 اپنی اپنی ڈار تک
 سعد چھپتا کچھ نہیں
 نفرتوں سے پیار تک

○
 کچھ نہ کہنے سے ہے بہتر کہ کچھ کہا جائے
 چُپ رہنے دیکھ کے جس سے کہ چُپ رہا جائے
 کیسا جینا کہ ہر اک ظلم ہے روا مجھ پر
 اور ہے حکم بھی اس پر کہ سب سہا جائے
 قطرہ قطرہ ہے جو مرنا تو پھر یہ بہتر ہے
 آدمی اچھی طرح خون میں نہا جائے
 اور تو کچھ نہیں بس میں ترے مگر پھر بھی
 تو ندامت کے اگر اشک ہی بہا جائے

ہم تو بے زار ہیں خود سے بھی لے جہاں لو
کچھ سنا جائے نہ ہم سے نہ کچھ کہا جائے



پس دستِ حنائی وہ ترا ہنسنا
اٹھانا کا کلوں کو اور پھر ڈسنا
وہ پھرنا ساتھ سکیوں کے مرے آگے
مے موقع تو آوازہ بھی ہے کسنا
نکلنا کیوں نہیں ہے وہ مردل سے
اگر اُس کو یہاں رہ کر نہیں بسنا
مرا یہ ذہن پیچوں سے جڑا ہے تو
کبھی ہے کھولنا اس کو کبھی کسنا

شکاری ہے تو ڈالے گا وہ جال اپنا
 ہے مچھلی کو یہاں آ کر فقط پھنسا
 خدا جانے کہاں مٹی ہماری ہے
 کہیں کا ہے کوئی تو ہے کہیں بسنا



خوشیاں جو سو گئیں تو مراد درد جاگ اٹھا
 ایسے لگا کہ شہر کا ہر فرد جاگ اٹھا
 عورت سے اپنی ذات کی پہچان بھی گئی
 اندر کا اس کے جب بھی کبھی مرد جاگ اٹھا
 مہبوت ہو گیا تھا وہ گرمی کے زور میں
 سایہ بلا تو ہو کے وہی سرد جاگ اٹھا
 دیران راستے پہ کہیں سو گیا تھا میں
 آندھی چلی تو بن کے وہیں گرد جاگ اٹھا

اے سعد کھیل رنگ بھی کتنا عجیب ہے

ہم نے سلا یا سرخ کو تو زرد جاگ اٹھا

اے سعد اک سکوت ہے اس دل کے آس پاس

کچھ بھی نہیں بچے گا اگر درد جاگ اٹھا



بہت ہی تلخ حقائق ہیں سامنے سب کے

مگر خموشی سے تنکتے ہیں لوگ کیوں اب کے

وجود آدمِ خالی کو ڈھونڈتے ہو کہاں

زمین کے لوگ تو واپس بھی جا چکے کب کے

ہمارے ذکر کو چھوڑو کہ ہم تو تھے ایسے

ہمیں تو دوست بھی پیارے نہیں ملے ڈھب کے

اسی لیے تو ہیں دن کو ستارے آنکھوں میں

کہ ہم نے اشک چنے ہیں قدم قدم شب کے

گھٹا گھٹا اسے دیکھا ہے روشنی کرتے
ہیں باغ باغ چُنے پھول بھی اسی لہکے

عجیب بات کہ سب کچھ ہی پالیا ہم نے
نہیں تھا ہاتھ میں اپنے کوئی ہنر جب کہ

وہی مقام ہے اونچا فراز مئی سر کو
کہ تُو بحالتِ سجدہ قریب ہو رب کے

○
جیت جیسے مات سے

وہ ہے میری ذات سے

چاند خود ہے روشنی

کیا چُھے گا رات سے

بن گئی زنجیر سی

بان نکلی بات سے

خود کو گھائل کر دیا

میں نے خود ہی گھات سے

غم ہی ملنا تھا مجھے
 عشق کی سوغات سے
 مٹ رہے ہیں لوگ خود
 سعد اپنے ہات سے



ہنسی کی بات کہ اس نے وہاں بُلا کے مجھے
 بہت رُلیا کہانی مری سُننا کے مجھے
 ہر ایک لمحہ مرا خوف کی گرفت میں ہے
 محافظوں سے بچائے گا کون آ کے مجھے
 کمال فن سے لیا کام اس نے مجھ سے بھی
 تباہ اپنے عدو کو کیا بچا کے مجھے
 وہ باغ باغ ہوا ہے تو بے سبب بھی نہیں
 بلا ہے کچھ تو اسے خاک میں ملا کے مجھے

تمہیں خبر ہے کہ سر پر پڑے گی لاکھ ترے
اُڑا دیا ہے فضا میں جو یوں جلا کے مجھے
اسے بنایا تھا میں نے بڑی ہی محنت سے
خدا گواہ کہ وہ بھی چلا بنا کے مجھے
اسے کہو کہ ہیں حاضر، مزید دکھ دے
بہت سکون ملا ہے اگر ستا کے مجھے

○
دقت تو وقت ہے رکتا نہیں اک پل کے لیے
ہو وہی بات جو قائم بھی رہے کل کے لیے
منصفِ وقت! حقیقت ہے حقیقت ہے خدا
خوف لازم ہے بہر طور ہر اک حل کے لیے
اے مری خواہش تحصیل سچھا دے مجھ کو
کوئی رستہ در امکانِ مقفل کے لیے
میں سمندر ہوں خموشی پہ نہ جانا میری
مجمع کرتا ہوں طاقت کو بڑی پھل کے لیے

تر بیٹ خون میں رچ جائے تو تپ ہوتا ہے
 ورنہ آسماں نہیں جانا کسی کربل کے لیے
 سعد ڈرتا ہوں اگر میں تو بس اک خواہش سے
 وہ جو کر دے نہ برہنہ تجھے مخمل کے لیے

○

یہ مراد ہم دگماں اور یقیں کچھ بھی نہیں
 سب مری آنکھ کا دھوکا ہے کہیں کچھ بھی نہیں

ایک لمحے کو یہ لگتا ہے کہ سب میرا ہے
 دوسرے لمحے یہ احساس نہیں کچھ بھی نہیں

ایک امکان ہے کہ رتے ہیں شرب روز اپنے
 ورنہ یہ سارے مکان اور میں کچھ بھی نہیں

ہے جو دل میں تو نہیں کچھ بھی ضرورت اس کی
 ورنہ دیلنر پہ رکھی یہ جیس کچھ بھی نہیں

○

تنہائی میں رہنا مشکل ہوتا ہے
 اپنے آپ کو سہنا مشکل ہوتا ہے
 اپنے آپ سے ڈر جانا ہوں اکثر ہیں
 اپنی زد میں بہنا مشکل ہوتا ہے
 آگے پیچھے یاد آتا ہے کیا کیا کچھ
 وقت پر کچھ بھی کہنا مشکل ہوتا ہے
 اس کو دل میں رکھا کیونکر تنہا ہوں
 خالی گھر میں رہنا مشکل ہوتا ہے

اپنے جینے کا جو مقصد ہے وہی ہے سب کچھ
 آسماں کچھ بھی نہیں اور زہں کچھ بھی نہیں
 غور سے اپنی طرف دیکھے تو جانے کوئی
 لے کے سب کچھ بھی تو وہ اپنے تئیں کچھ بھی نہیں
 سعد دھوکا ہے فقط آنکھ کا یہ حسن و جمال
 دل یہ کہتا ہے مگر اس سے حسیں کچھ بھی نہیں

نفرت کی بنیاد نہ رکھو آپس میں

اس دیوار کا ڈھنسا مشکل ہوتا ہے

سعد طبیعت میں اکتاہٹ ہو تو پھر

کچھ سننا، کچھ کہنا مشکل ہوتا ہے



کوئی پڑھے نہ پڑھے یہ عبارتیں میری

انہی کے دم سے ہیں قائم وزارتیں میری

بس اتنا یاد ہے اس کا وہ مسکرا دینا

بہت پسند تھیں اس کو شرارتیں میری

عجیب بات کہ اب تک نہ کھل سکیں مجھ سے

الٹ کے رکھ دیں جو اس نے بھارتیں میری

کیا ہے اس نے جو سہارا دشمنی تھی وہ

ہے غم کہ اپنوں نے ڈھائیں عمارتیں میری

مزاج ٹھنڈا بہت تھکے دوست دشمن کا
 کہ اُس نے چھین لیں مجھ سے عزتیں میری
 کچھ اور بڑھ گیا اس سے مرا تجسس بھی
 جو کامیاب نہ ٹھہریں سفارتیں میری



دھوپ کا ندھے پہ اٹھا کر کوئی بادل ٹھہرے
 جلنے صحرا میں کہاں دیکھیے پاگل ٹھہرے
 خامشی ہو تو کوئی بانٹ سمجھ میں آئے
 دو گھڑی کو جو کسی پاؤں کی چھاگل ٹھہرے
 اپنا عرفان جو انساں کو کبھی ہو جائے
 کتنی صدیوں پہ محیط آج کا پل ٹھہرے
 اس کو پایا، اُسے چھوڑا اور اُسے بھول گئے
 کام ہم نے وہ کیے ہیں کہ جو مشکل ٹھہرے

خشک ہونے پر نہ حساب و کجھی دریاؤں کے
 پر خطر اور بھی ہوں گے جو یہ دلدل ٹھہرے
 صبح ہوتے ہی وہی جھیل کی صورت چمکے
 جس کی آنکھوں میں مری شام کا کاجل ٹھہرے
 اس تکلف پہ جو انصاف ہوا خوب ہوا
 ہم کہ عزت سے گئے اور وہ چنچل ٹھہرے

○
 ہر وقت ساتھ رہ کے بھی اپنی خبر نہیں
 ان حادثاتِ دہر کا کس پر اثر نہیں
 معلوم کیا ہوا مجھے سب کچھ سمیٹ کر
 منظر مری گرفت میں آئے مگر نہیں

اپنے نفس کے ہاتھ سے دھوکا ہوا ہمیں
 پالا ہے ایسے پیڑ کو جس کا ثمر نہیں
 ہم نے جنوں میں بارہا سوچا ہے اس طرح
 اب کے ثمر ہمارا ہے یا پھر شجر نہیں

ہم نے خود اپنی موت کو مشکل بنا لیا
 ورنہ رہ جیانت تو کچھ پُر خط نہیں

کاٹا ہے ہم نے راستہ ہر راہ سے جدا
 اس واسطے ہمارا کوئی راہبہر نہیں

ہر اک سے اپنا تذکرہ اے سعد کس لیے
 وقعت ہماری سامنے اس کے اگر نہیں

چلو اب ختم کر ڈالیں کہانی بھی
 رکھیں کیوں یاد ہم باتیں پرانی بھی

نہیں ہے تو توبے مقصد ہے جیسا بھی
 بچھے ہے بوجھ اب تیری نشانی بھی

بڑھاپے کا ہوشکوہ کیا کہ بچپن ہے
 ہمیں تو بارگزی ہے جوانی بھی

بہت ہے پُکشش یہ کشمکش اپنی
 ملائی بھی ہے آنکھ اس سے چرائی بھی

یہ آنسو اور آہیں تو ضروری ہیں
 کہ پاس اپنے ہول ہے اور پانی بھی
 یہ جلتے بجھتے لمحے خوب ہوتے ہیں
 کہ کہنی بھی ہے باٹ ان میں چھپانی بھی
 غزل لب پر جو آئی تو سبھی بولے
 زمانی بھی ہے عیب اس میں مکانی بھی

کوئی صورت نکال کر دکھیں
 ہم بھی مجنوں سا حال کر دکھیں
 ایک پتھر تو موم کیسا ہوگا
 خود کو پتھر میں ڈھال کر دکھیں
 کوئی صورت دکھائی دے تو ہم
 خود سے ہی اک سوال کر دکھیں
 دور ہو جائے گی غلط فہمی
 رابطے بھی بحال کر دکھیں

تیرگی ہے رگوں کے اندر تو
اپنے دل کو مثال کر دیکھیں

سارے چہرے تو ایک جیسے ہیں
لوگ چہرے اجال کر دیکھیں

غم خوشی میں بدل ہی جاتا ہے
غم مسلسل جو پال کر دیکھیں

سعہ اپنے سوا بہت کچھ ہے
ہم کہ دُنیا کھنگال کر دیکھیں

○
ساتھ دنیا کے بے پاؤں بھی چلنا ہوگا

سحر سے اس کے مگر ہم کو نکلنا ہوگا

دوستی اس سے بہت ٹھیک ہے اپنی لیکن

ایسے لمحے میں مگر ہم کو سنبھلنا ہوگا

وہ نہیں بدلاتا تو پھر غور ہو اپنی جانب

زندہ رہنا ہے تو پھر خود کو بدلنا ہوگا

سانس لینے میں کہیں دیر نہ ہو جائے ہمیں

اپنے آرام کو شدت سے کچلنا ہوگا

اپنی پلکوں سے تنکے بھی چنیں گے ہم لوگ
ایک سُورج کو سرِ شام تو ڈھسنا ہوگا

عشق سُورج ہے تو پھر مسئلہ طے ہی سمجھو
حسن کی برف کو ہر حال بچھلتا ہوگا

اس محبت میں گواہی کی ضرورت ہی نہیں
یہ ہے وہ مجرم کہ مجرم کو اگلنا ہوگا

○
یہ زمانہ نہ سمجھ میں آیا
ہاتھ آیا بھی تو جیسے سایہ
خواب نیندوں سے بھڑے تھے سارے
رتجگے ساتھ وہ اپنے لایا

پیارا ناک تھا کہ جس میں اس کو
ہم نے کھویا تو کسی نے پایا
ایسی خوشبو کا کوئی نام نہیں
جس نے سوچوں کو مری ہوکھلایا

بات کچھ بھی تو نہیں تھی شاید
 بس یونہی میں نہ جسے سہ پایا
 ایک لمحے کو برس ہیں کتنے
 جب پلٹ جائے کسی کی کایا
 سعد کیا کچھ نہ کیا ہم نے وہاں
 کیا کریں کچھ نہ جو اس کو بھایا

○
 مہر ڈوبا تو مرے ماہ کو باہر لایا
 شام ہوتے ہی ہر اک دانغ مجھے یاد آیا
 یاد آیا وہ کسی شخص سے رشتہ اپنا
 بڑھتے بڑھتے ہو غائب جو اچانک سایہ
 جو سمجھتا تھا کہ یاں میرے سوا کچھ بھی نہیں
 میں نے اس شخص کو کھو ہے سبھی کچھ پایا
 رفتہ رفتہ وہ لہو میں مرے تجلیل ہوا
 نغمہ اک تالِ نفس پر تھا جو دل نے گایا

میرے انجام سے پہلے نہیں انجام کوئی
اور آغاز بھی انجام تک ہے چھایا

میری سوچوں نے اٹھایا جو کبھی خواب محل
اشک باری نے اسے دل کی حدوں میں ڈھایا

مجھے یہ ڈر ہے کہ میں رایگاں نہ جاؤں کہیں
بس اس خیال میں گزرا ہے وقت بے مصرف



کیوں نہ ہم سوچ کے سانچے میں ہی ڈھل کر دیکھیں
وہ جو قائم ہے تو پھر خود کو بدل کر دیکھیں

گو مسافت ہے کٹھن اور نہ رستہ کوئی
لیکن اس حال میں اچھا ہے کہ چل کر دیکھیں

ہم محنت کو مکمل نہیں ظاہر کرتے
وہ حنا برگ کو چٹکی میں مسل کر دیکھیں

زندگی موت میں مخفی ہے یقیناً اپنی
شیل پروانہ چلو ہم بھی تو جسل کر دیکھیں

کوئی تو حد ہو گزرنے کی اس محنت میں
اٹھا رہا ہوں میں دیوار نفرتوں کی بن سوچے

ایک کوشش جو ہے اس کی اسے انجام تو دیں
 اس کی خواہش پہ ذرا دیر کو ٹل کر دیکھیں
 سعد لوگوں سے توقع ہو تو کس بات پہ ہو
 مونگ چھاتی پہ مرے روز وہ دل کر دیکھیں



یاد رکھنا اسے بھلانا مت
 یعنی خود کو یوں آزمانا مت
 ہم بھی بیٹھے ہیں ٹھان کر دل میں
 اب کوئی داستاں سنانا مت
 اس کی جانب سے پیش رفت شرط
 ورنہ تم بات کو گنوانا مت
 ساری دنیا ہے آنکھ میں اپنی
 اس کو لا کر یہاں بسانا مت

وہ کہ پانی پر عکس بیٹھ گیا
ہو سکے تو اسے اٹھانامت

کتنا آسان ہے یہ کہ دینا
ڈوبنے سے اسے بچانامت

تم اکیلے دیوارِ غم میں ہو
دوست بننا مگر بنانامت

○
کیوں محبت کا نشہ جاتا نہیں ہے
کوئی موسم بھی ہمیں بھاتا نہیں ہے

ایک عبرت ہیں زمانے کے لیے وہ
جن کو اپنا بھی خیال آتا نہیں ہے

ایک رشتہ ہے ہمارا ذرا سوچو!
دور کی کوڑی کوئی لاتا نہیں ہے

چلو چھوڑو کہ ہے چھوڑا مجھے اس نے
مگر اس پر بھی وہ پچھتا تا نہیں ہے

تختنا غمناک ہے اس کا یوں بچھڑنا
 اب یہ دل بھی ہمیں بہلاتا نہیں ہے
 یہ تو خوشبو ہے مرے من کی دگر نہ
 گل کوئی رُوح کو نہکاتا نہیں ہے



دن مشقت میں اگر تم نے گزارا ہوتا
 رات کا چین تمہیں ہم سے بھی پیارا ہوتا

ہم تری سمت سے پلٹے ہیں تو ایسے ہی نہیں
 تُو نے اک بار کبھی ہم کو پکارا ہوتا

تم محبت کو تجارت کی طرح لینے تھے
 یوں نہ ہوتا تو تمہیں اس میں خسار ہوتا

یہ تو قدرت کی عطا ہے کہ کھڑا ہوں اب تک
 میں تو گر پڑتا کبھی کا جو سہارا ہوتا

یہ تو اچھلے ہے سمندر میں نہ پھینکا تم نے
 ورنہ وحشی کو تو طوفاں بھی کنارہ ہوتا
 جانے کس بات کی جلدی تھی پلٹ آنے میں
 شہر میں اس کے ذرا وقت گزارا ہوتا

○

میری نظروں سے اگر اس کا نظارا ہوتا
 چاند ہوتا وہ کبھی آنکھ کا تارا ہوتا
 خواب کیسا ہے کہ جس کی کوئی تعبیر نہیں
 کاش قسمت میں یہی خواب ہمارا ہوتا
 یہ تو سچ ہے کہ رہے آئندہ خانے میں مگر
 ایک شیشے میں کبھی اس کو اتارا ہوتا
 اپنے آنے پہ ہے چپ سا دھی سبھی نے ورنہ
 ہم نہ ہوتے تو ترا ذکر دوبارہ ہوتا

دل بھی سیما صفت ہے کہ یہ ٹکٹا ہی نہیں
مگر نہیں تھا یہ ہمارا تو تمہارا ہوتا

کیوں نہ اٹھ جاتے تری بزم سے تیری خاطر
ہم تو بیٹھے تھے، کبھی ایک اشارا ہوتا

ایک حسرت ہی رہی دل میں کہ ہم نے بھی کبھی
اپنا جو کچھ تھا، کسی شخص پہ دارا ہوتا

موسم گل کے پلٹنے کے زمانے آئے
رات ہوتے ہی ہمیں خواب جگانے آئے

جتنا بھی وقت ملے کام سمیٹیں اپنا
بیٹھے بیٹھے ہمیں کب نیند نہ جانے آئے

میری حالت پہ وہ جی بھر کے ہنسنے میں دیکھو
جن کو دعویٰ تھا کہ وہ مجھ کو ہنسانے آئے

یہیں بھی کیا ہوں کہ سر دست تھی دست لہا
وقت گزرا تو مجھے یاد بہانے آئے

قافلے اشکوں کے اترے ہیں مری پلکوں پر
 بستیاں آنکھوں کی شاید یہ بسا نہ آئے
 جتنے بھی تلخ شبِ روز گزارے ہیں نے
 اتنے ہی شیریں مرے لمحے سہانے آئے
 پھانس اٹکی ہے گلے میں کہ وہ خود آجائے
 یوں تو اے سعد مجھے سب ہی مٹانے آئے

○
 مجھے کیا، اب مجھے دیکھو نہ دیکھو
 برابر ہے جو تم سوچو نہ سوچو
 رکیں گے قافلے مرضی سے اپنی
 نتیجہ کچھ نہیں روکو، نہ روکو
 جو بات آئی ہے منہ پر ہم کریں گے
 بلا سے اپنی تم ٹوکو، نہ ٹوکو
 تمہارے پاس آ کر ہم کھڑے ہیں
 یہ تم پر ہے کہ اب بلیٹھو، نہ بلیٹھو

کسی عالم میں ہم سوئے ہوئے ہیں
تمہیں عرفان ہے جاگو، نہ جاگو

ہے کائی اب تو سطح اب جیسی
دریچے سے ادھر جھانکو، نہ جھانکو

مجت وہ عمل ہے اے زمانے!
جو جاری ہے بھلے چاہو، نہ چاہو

○

لگی ہے جس سے مجھ شیشے کو ٹھوکر
بہت ہی سخت جاں ہوگا وہ پتھر

وہ اکثر بھول جاتا ہے کہ مجھ کو
وہی اک شخص یاد آتا ہے اکثر

مجت کا کوئی سر پیر ہو تو!
نہیں اچھی یہ بن دیکھے کی ٹنگر

نہیں ایسا نہیں! میرا گماں ہے
کہ ہے یہ آسمان میرے ہی سر پر

یہی اک مستقبل ہونے کی خواہش
پھرایا جس نے ہے مجھ کو بھی درد

نہیں سیکھا سبق میں نے کہ اب بھی
سُناتا ہوں کہانی اپنی فر فر

اُسے میں اپنے اندر کی کہوں کیا
ہوا ہے جو مری حد سے بھی باہر

○
خلائے دہر کے اندر نہ جاسکا کوئی
طلسمِ ذات سے باہر نہ آسکا کوئی

خلاف تیرے تھی سب میں بھری ہوئی نفرت
اگرچہ بات زباں پر نہ لاسکا کوئی

بس ایک ذات ہے جس کا کرم ہوا سب پر
اگرچہ اس کو بظاہر نہ پاسکا کوئی

یہ بات فطرتِ آب و ہوا سے ظاہر ہے
کہ مثلِ ابر برابر نہ چھاسکا کوئی

مغالطہ نہیں کوئی اسے سمجھنے ہیں
 اسے تو بار بار سراسر نہ مجھاسکا کوئی
 یہ عشق بھی تو کوئی دائرہ ہے جس سے کبھی
 نہ جاسکا کوئی باہر نہ آسکا کوئی

جو خوف سارا ہوتا ہے وہ خوف خوشی کا ہے
 کچھ آسرا سا مجھ کو اس میں بھی غمی کا ہے
 بل جاتا ہے جو مانگو پھر کس لیے ہم مانگیں
 بل جانے میں ہی شاید احساس کمی کا ہے
 اپنے ہی رویے سے اتنا سا گیا ہوں میں
 ہر بات پہ رونا بھی اک کام مہنسی کا ہے
 کیوں ایک سا لگتا ہے سب ہونا نہ ہونا بھی
 جو رنگ ہمارا تھا وہ رنگ سبھی کا ہے

اس ہجر کے اُوپر بھی اک وصل کا پڑہے
آغاز کسی کا ہے، انجام کسی کا ہے

کچھ کام ہے دامن کا، کچھ کام ہے اس دل کا
اک بنیچہ گری کا ہے، اک شیشہ گری کا ہے

کچھ شغل نہیں لیکن فرصت بھی نہیں مجھ کو
ہر کام ہے وہ میرا جو کام کسی کا ہے

اے سعد سکوں اپنا لوٹا ہے تو ہم نے ہی
یہ مسئلہ بھی شاید اس پوری صدی کا ہے

○
انہی سے پوچھو کہ یہ شوخ ڈھنگ کیسے ہیں
وہ آئینوں کی طرح ہیں تو سنگ کیسے ہیں

کبھی جو باغ میں بیٹھو تو جان بھی جاؤ
تمہاری یاد کی خوشبو کے رنگ کیسے ہیں

یہ ٹھیک ہے کہ گلہ ہے نہ کچھ شکایت ہے
بتائیں کچھ کہ سبھی مجھ سے تنگ کیسے ہیں

ہمیشہ ایک سی حالت کہاں نصیب انہیں
کبھی تو پوچھو تمہارے ملنگ کیسے ہیں

تمہارا ذکر سنا ہم نے ان سنا کر کے
 کسی کے پیار میں آمد بجنگ کیسے ہیں
 بچھڑ کے تم سے بھی ہنستے ہیں جا بجا اکثر
 جو دیکھتے ہیں ہمیں سعد دنگ کیسے ہیں

ہم ذرا اور مچل کر دیکھیں
 سونے مقل بھی تو چل کر دیکھیں
 آگ جذبوں کی بھری خود میں تو پھر
 عشق بے تاب میں جل کر دیکھیں
 حرفِ حق کا تو بدل کوئی نہیں
 ہم زباں اپنی بدل کر دیکھیں
 اس کا جلوہ تو ہے قائم ہر جا
 ہم ذرا خود میں سنبھل کر دیکھیں

یہ زمیں پاؤں پڑے گی اپنے
 عہد چلنے کا اٹل کر دیکھیں
 اس میں کیا ہے کہ یہ انداز تو ہے
 زندگی اپنی آجس کر دیکھیں

میں بے یقین بھی نہیں ہوں میں بدگماں بھی نہیں
 مگر یہ وہم و دیعت ہے حیرتوں کے بیچ



ہوا کے رُخ کو بدل کر ادھر بھی کر دے گا
 کوئی تو دُور سے مجھ کو خبر بھی کر دے گا
 مرے وجود سے لپٹا ہوا یہ خوفِ فنا
 کبھی کھلا تو یہ مجھ کو امر بھی کر دے گا
 جو بیج بویا ہے دل میں کسی کی چاہت کا
 یہ اشک اس کو کسی دن شجر بھی کر دے گا
 ہے مانگنا مجھے اس سے اسی یقین کے ساتھ
 کہ میری سوچ کو اب وہ نظر بھی کر دے گا

کمال ہے یہ تمہارا زوال آنے پر
 کھلا دیے ہیں شگوفے خزاں کے اندر بھی

نہیں ہے کچھ بھی مری حیثیت مگر پھر بھی
 وہ ایک دن مری مٹی کو زر بھی کر دے گا
 وہ اک خیال جو رہتا ہے آس پاس کہیں
 یقین ہے کہ مرے دل میں گھر بھی کر دے گا

○

وسعت کون و مکاں دل میں بھلا رکھ دینا
 اُس سے باہر مگر اتنا ہی خلا رکھ دینا
 قید کرنا مجھے شیشے کی فصیلیں چُن کر
 اور باہر مرے پتھر پٹی ہوا رکھ دینا
 ایک خوشبوئے مجسم پہ ہے دل خوں کرنا
 دامن گل میں شفق رنگ صبا رکھ دینا
 یہ بھی کیا ہے کہ مجھے منع بھی کرنا اس سے
 اور اس میں ہی مراسم از مزار رکھ دینا

ایک عادت ہے یہ دُنیا کی کہ جب بھی ملنا
ایک نفرت پس اظہارِ وفارکھ دینا

ایک نام ہے مرے پاس جو دینا ہے اسے
میری میت کو مرے پاس ذرا رکھ دینا

اے مری چشمِ ندامت تو زباں دے مجھ کو
سعد کا کام ہے ہاتھوں پہ دُعا رکھ دینا

○
اے دل ایسی بھی کیا دُھن
یارِ بہاری بائ تو سُن

خواہش چاند اور تاروں کی
پیدا کرے گی تجھ میں گُن

کتنا کھلا ہے دُنیا کا
لیکن پیچھے ایک ہی کن

سوچ کے تانے بانے سے
کوئی ردائے حیات ہی بُن

پیسار نرمی رسوائی ہے

اس رستے کو دیکھ کے چُن

وقت گزرتا جاتا ہے

بند کرو یہ چھین چھین چھین

○

چاند نکلا ہے بادلوں کے بیچ

جیسے رہبر ہو قافلوں کے بیچ

ایک طوفاں ہے آنکھ میں لیکن

ہر سمندر ہے ساحلوں کے بیچ

ہم جُدا ہیں مگر نہ جانے کیوں

اک تعلق ہے فاصلوں کے بیچ

اب کے پاگل ہے ایسے لوگوں میں

جیسے اک شخص پاگلوں کے بیچ

علم ایک لامقابلے پر ہے
یکھے چُپ ہے وہ جاہلوں کے بیچ

یہ بھی ہوتا ہے خوف آنے پر

لاش پھرتی ہے قانلوں کے بیچ

کیا تخیل کی ہے اڑان کہ سعد

جا کے اُجھا ہے کاکلوں کے بیچ

○

مجھے مشکل میں ڈالا بے سبب اُس نے

لگایا لب پہ تالا بے سبب اُس نے

بہت سی مکڑیوں کی جان تھی اُس میں

اُتارا گھر سے جالا بے سبب اُس نے

نہ لکھنا کچھ تو پھر بھی ہم سمجھتے تھے

سجیا کاغذ کو کالا بے سبب اُس نے

وہ ہوگا غم زدہ اک دن میں ڈرتا ہوں

فقط خوشیوں کو پالا بے سبب اُس نے

یونہی چندرا کو گرنا تھا تو پھر کنوینر
 سمندر کو اُچھالا بے سبب اُس نے
 اُسے کہنا گرا دے مجھ کو آنکھوں سے
 مجھے اب تک سنبھالا بے سبب اُس نے
 یقیناً شعر میرے ہوں گے اس میں بھی
 نہیں پھاڑا رسالہ بے سبب اُس نے
 مجھے تو زخم سہنے کی تھی نُو اے سعد
 کیا ہے کیوں ازالہ بے سبب اُس نے

○

یہی تو ہر اک کو غم رہا ہے
 کہ اس جہاں میں وہ کم رہا ہے
 بہت تو انا تھا اپنا ماضی
 تبھی تو ہم میں یہ دم رہا ہے
 نمو ہمیشہ رہی ہے باقی
 جہاں بھی آنکھوں میں غم رہا ہے
 فراز کیسا خدا خبر ہے
 کہ سر تمہارا تو خم رہا ہے

یہ بے حسی ہے کہ خوف میرا
 کہ خون رگوں میں بھی جم رہا ہے
 چلو کرو اس کا ذکر پھر سے
 کہ سیل اشکوں کا تھم رہا ہے

○

جو میرے رستے پہ چل رہا ہے
 وہ اپنا ورثہ بدل رہا ہے
 سمندروں کی طرح ہوں میں بھی
 کہ مجھ میں طوفان مچل رہا ہے
 وہ زندگی سے قریب تر ہے
 جو عین فطرت پہ چل رہا ہے
 نظر سے اوجھل ہے غم کی قیمت
 یہ اشک موتی میں ڈھل رہا ہے

جو دیکھنا ہے تو دیکھ لو اب
 وگرنہ آنکھیں وہ مل رہا ہے
 جو تم کو کرنا ہے آج کر لو
 نہ کل رہے گا نہ کل رہا ہے
 یہ خوف ہے یا کہ وہم میرا
 جو مونگ سینے پر ڈل رہا ہے
 اے سعد اس کو بھلا بھی دے اب
 کہ وقت کروٹ بدل رہا ہے

دو شعر

ٹھنڈک ملی ہے گرمی سے سایے کے رُوپ میں
 نعمت تمازتوں کی ہے سردی کی دُھوپ میں
 اپنا خیال ہے مگر احساس بھی تو ہے
 اک ذائقہ نیا سا ہے گویا کہ سُوپ میں

○

کوئی حد ہے کہ نہیں اس کی الہی توبہ
جلس موسم میں کوئی تازہ ہوا کا جھونکا

میرے حاکم تو ہیں غدار مرے آبا کے
اس حقیقت سے مگر میں نے نہیں کچھ سیکھا

ایک طوفاں تھا کے پاؤں کے نیچے بیچپن
اپنی منزل کی طرف پیر نہ اپنا اٹھا

میری سوچوں میں تھی پرداز عتابوں جیسی
میرے سرکاری دستار نے رستہ روکا

شعر
۹۹

یہ ہونا تو ہمارا خواب جیسا ہے جسے ہم چھو رہے ہیں سعد
مگر دیکھو نہ ہونا اک حقیقت ہے جسے ہم سوچتے ہیں سعد
نہیں ہم ڈھونڈتے حق کو کہ اس میں خود کو رد کرنا ضروری ہے
بھی ہیں خواہشات اپنی جنہیں دن رات ہم سب پوجتے ہیں سعد

گوئیں وارث تو ہوں سب بڑی سچائی کا
 کیا کروں اس کا کہ خود ہی تو میں جھوٹا نکلا
 میری طاقت ہے مے جذبہ پیہم میں نہیں
 میں نے خود بھی تو کسی طور یہ سوچا ہوتا

○

ہم نے گردش میں ستارہ کر لیا
 گویا سب کچھ ہی گوارا کر لیا
 کیا چھپایا تم نے اپنے ذہن میں
 ہم نے آنکھوں سے نظارا کر لیا
 اپنا کیا ہے کر لیا ہے پھر یقین
 اُس نے جب وعدہ دوبارہ کر لیا
 قطرہ قطرہ بن گیا اک آئینہ
 ہم نے دل کو پارہ پارہ کر لیا

خوف میں احساس جاگا اس طرح
ہم نے جگنو کو شہراہ کر لیا
جیسا فریب اس آنکھ کو دل نے دیا
چاند کو بھی اک ستارہ کر لیا

○

جھانکا جو دل میں اپنے پذیرائی مل گئی
آنکھیں کھلیں جو اپنی تو بسنائی مل گئی
شہر کے پیچھے اپنے بڑی سیدھی بات سے
عزت جو دی کسی کو تو رسوائی مل گئی
تنہا ہوئے تو ساتھ ہی میلہ سا لگ گیا
لوگوں میں آ کے بیٹھے تو تنہائی مل گئی
اچھا ہوا کہ بعد کے نقصان سے بچے
پہلے ہی معرکے میں جو لپٹائی مل گئی

صد حیف ان پہ سعد کہ وہ مطمئن بھی ہیں
جن کو کہ سطح آب سے گہرائی مل گئی

○

اُس کی آواز کی تصویر بنانا چاہی
گویا اک سوچ کی تحریر بنانا چاہی
گو مقدر نہ چلا ساتھ کسی کے ہرگز
ورنہ ہر شخص نے تقدیر بنانا چاہی
کیا تماشہ ہے کہ پھر خواب نہ آیا مجھ کو
میں نے جب خواب کی تعبیر بنانا چاہی
یہ بھی اچھا ہے کہ بس میں نہیں نکلا کچھ بھی
ہم نے تو جرم کی تدبیر بنانا چاہی

اپنی گفتار میں جذبے نے رکاوٹ ڈالی
 سامنے اس کے جو تقدیر بننا چاہی
 ان کی زلفوں کے اسیر ایسے ہوئے ہم کھو
 اپنے لفظوں سے بھی زنجیر بننا چاہی

ہزار شوق سے آؤ تمہاری مرضی ہے
 مگر وہ لمحہ لطف و کرم تو بیت گیا



نہیں گرفت میں اپنے ہماری سوچیں بھی
 ملے جو وقت کبھی تو تمہاری سوچیں بھی
 کسی خیال نے سب کچھ بھلا دیا مجھ کو
 کسی خیال نے آ کر سنواری سوچیں بھی
 ہمارے شعر کو دیکھو تو دل پہ ٹھیس لگے
 کچھ ہم نے شیشے میں اپنے اتاری پوچیں بھی
 بہت دلیل سے میں نے اُسے جدا تو کیا
 مگر نہ دل نے سنی اور نہ ہماری سوچیں بھی

تمہیں یہ وہم کہ آگے نکل گئی دنیا
 تم اپنی سانس پہ چلتے رہو جہاں تک ہو

وہی سوار ہے اب تو سن تخیل پر
 ہے بے خیال نے کیسے سدھاری سوچیں بھی
 کسی سے شکوہ نہیں ہے قصور اپنا ہے
 ادھار لو تو ملیں گی ادھاری سوچیں بھی
 کسی نے ذہن کو ماؤف کر دیا ایسے
 کہ در بدر رہیں پھرتی بھکاری سوچیں بھی

○
 مجھے قبول ہے جو کچھ کہو کہو تو سہی
 مری گرفت سے باہر رہو رہو تو سہی
 ہماری آنکھ میں چاہت فقط تمھاری
 گو اشک بن کے وہاں سے بہو بہو تو سہی
 ذرا سی دیر میں نرمی دکھا گئے تم بھی
 کسی کے واسطے سختی سہو سہو تو سہی



دوستوں میں تمہیں شمار کیا
 خود پہ کیسا یہ اعتبار کیا
 اب اتاریں گے قرض بھی اپنا
 کیوں اسے ذہن پر سوار کیا
 کاش کچھ دیر رو ہی لیتے ہم
 دل کا ہلکا نہ کیوں غبار کیا
 میں کہ آخر ہوا شکار اس سے
 اُس نے پہلے مجھے شکار کیا

کھول کے رکھنا اپنی آنکھیں اپنی اپنی جانب تُم
 کوئی سنبھل بھی نہ پائے گا پھر جب اس دل نے مار کیا
 اچھا تھا تصویر پہ اس کی گرد جی ہی رہ جاتی
 اچھا خاصا منظر ہم نے جھاڑ کے یونہی غبار کیا

وہ کہ کالی گھٹا کی صورت تھا
 اس نے مجھ کو بھی اشکبار کیا
 ہم نے سب کچھ اسی پر چھوڑ دیا
 اس نے چاہت کو کاروبار کیا

کیا ملا عشق میں بتاؤ تو
 اُس کو رسوا تو خود کو خوار کیا

○
 ہم نے اس پر جو دل نثار کیا
 دل نے یہ کام بار بار کیا
 گوندھ کر ریت اپنے اشکوں سے
 ہم نے صحرا کو کوہسار کیا
 وہ بھی تنہا رہا ہے میری طرح
 ضد نے دونوں کو شرمسار کیا
 راز رکھا ہے اب کے اپنائوں
 ہم نے ہر اک کو رازدار کیا

کھی آفت نے سر نکال لیا
 جب بھی ماحول سازگار کیا
 کتنے رنگوں میں نار نکلی پھر
 اُس نے اس دل کو جبا نار کیا



جو مرے قریب نہ آسکا
 میں اسی سے دُور نہ جاسکا
 مرا پیار بھی کوئی پیسٹھٹھا
 کد جو برگ و بار نہ پاسکا
 میں خزاں کی رُت میں جُلجُل ہوا
 میں بہار رُسف نہ مناسکا
 اُسے دیکھ لیتا میں اک نظر
 جسے دل کبھی نہ جھلا سکا

میں تھا بے خودی کی گرفت میں

کوئی رسم بھی نہ نبھا سکا

مرے شعر پڑھ کے وہ یوں اٹھا

کہ میں درد بھی نہ چھپا سکا

○

مجھے قریب سے دیکھو کہ دُور سے دیکھو

مگر ہے شرط کہ اپنے شعور سے دیکھو

تمہارا عجز بھی اُن کو ہی دیکھنا ہوگا

نہ خاک زادوں کو اتنے غرور سے دیکھو

غرض ہے بات سے ہم کو کہ اہتمام سے ہو

نگاہِ فیل سے دیکھو یا چشمِ مور سے دیکھو



ہمارا دھیان کبھی بٹ گیا تو سوچیں گے

تمہاری یاد میں دن کٹ گیا تو سوچیں گے

ابھی تو ابرہے غم کا چہرہ سو دیکھو

نشاطِ باد سے یہ چھٹ گیا تو سوچیں گے

ابھی سفر کا ہے آغاز کس لیے سوچیں

وجود گرد سے جب اٹ گیا تو سوچیں گے

ابھی تو رستے میں اُس دکشتی نے گھیرا ہے

ہماری راہ سے وہ ہٹ گیا تو سوچیں گے

دوسرا

میں اپنے سحر میں رہتا ہوں کیسے شام و سحر

مگر ہے خوف کہ اک دن یہ ٹوٹ جائے گا

ہمارے ہاتھ میں آنچل تھا یار کا لیکن

کسے یقین تھا اک دن یہ چھوٹ جائے گا

دوب جانا چاہئے یا پھر ڈبونا چاہیے

جنگ ہو تو فیصلہ بھی اس کا ہونا چاہیے

اشک ڈالے آخر اس نے دامن کشول میں

بے بسی پر اپنی اب تو گھل کے رونا چاہیے

کوئی ایسا کام بکڑیں جو کہ ممکن ہی نہ ہو

چاند پر جو داغ ہیں ان کو بھی دھونا چاہیے

آگئی بالوں میں چاندی اب تو اتنا جان لو

جاگنا لازم ہے ان پر جن کو سونا چاہیے

دو شعر

ہوا میں تیرتے پھرتے حسین باتوں کو
نظر لگے نہ تمھاری شگفتہ باتوں کو

حنوط کر کے میں رکھتا اگرچہ ہر منظر
مگر میں ہوش میں کب تھا بہار راتوں کو

دل تھا شاید سوچ لینا اس کو پالنے کے بعد
 جو غزانہ پاس ہے اب اس کو کھونا چاہیے
 ہم تو ہیں بے چین ازل سے گھڑی آرام ہو
 پھول موسم میں بھی کانٹوں کا کھونا چاہیے
 کچھ نہیں ہے دل میں اپنے ایک خواہش کے سوا
 بے حسی پر بعد اپنی ہم کو رونا چاہیے

کبھی کتابوں کی صورت کبھی رسالوں میں
 ہمارا نام ملے گا سبھی حوالوں میں
 وہ قیمتی سہی لیکن تھا خام صورت میں
 تراش کر اُسے لایا ہوں میں مثالوں میں

میں سوچتا تھا کہ اب وہ جواب کیا دے گا
 مگر بھلا دیا سب کچھ جو تھا سوالوں میں
 بجیا ہے میں نے جو محسوس کہہ نہیں پایا
 یہی کمال ہے باقی مرے کمالوں میں

KitabPK.Com

کسی کے پیار میں ایسی کھی غزل میں نے
 کہ تذکرہ مرا ہونے لگا غزالوں میں
 ذرا سی آئی سمجھ تو یہ خود ہی ختم ہوا
 ہمارا بیٹھنا اٹھنا پری جمالوں میں
 ہماری قدر کریں گے تو سعد دل والے
 کہ ہم بھی اشک چھپاتے رہے رمالوں میں

عجبت نہیں کہ جو ہم اس کی دید کرتے ہیں
 ہلال دیکھ کے کچھ لوگ عیب کرتے ہیں
 ہمارا نرم رویہ شہوت ہے اس کا
 کہ پیار کرتے ہیں ہم تو شدید کرتے ہیں
 یونہی نہیں ہیں یہ ایذا پسندیاں اپنی
 ہم اس کے غم سے خوشی بھی کشید کرتے ہیں
 سخن درمی کا اثر اُس پہ بھی ہوا کہ نہیں
 یہ کام ہے تو اسے ہم مزید کرتے ہیں

KitabPK.Com

ہماری جنگ ہوئی ہے تو اپنے جذبوں سے
 ہم اپنے ہاتھ سے اُن کو شہید کرتے ہیں
 یہ جھوٹ کیا کہہ ہے جادو سا اس کی باتوں میں
 جو بات اس سے نہیں ہے بعید کرتے ہیں
 حسین ہوتے ہیں جو بھی وہ جان دیتے ہیں
 اور ان پہ ظلم ہمیشہ یزید کرتے ہیں